مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب
مدرس دارالعلوم حقانیہ

(۶)

حقانیہ سے ازھر تک

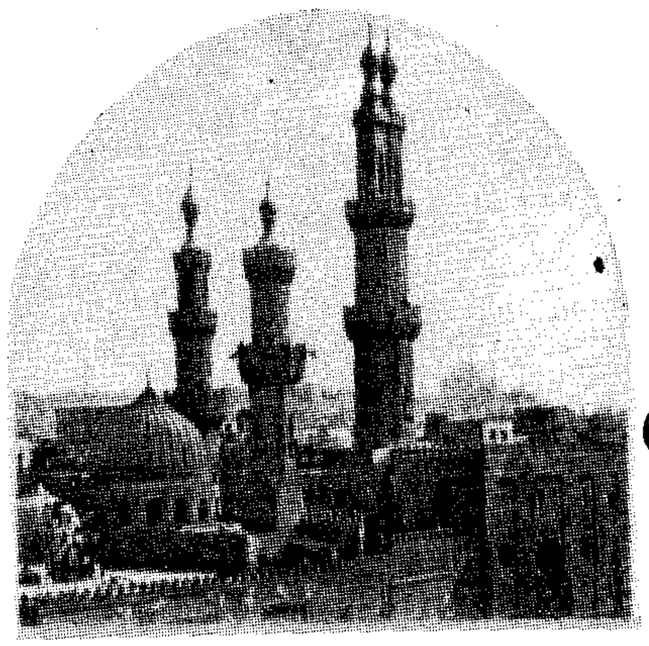

جامع عمرو بن العاص ۱۰ ارجون بروز منگل "جامع عمرو بن العاص" جانا ہوا۔ تاریخ اسلام میں یہ وہ امتیازی مسجد ہے جس کا تذکرہ آپ کو تاریخ کے اوراق میں کبھی "جامع مسجد" کبھی "جامع الفسطاط" اور کبھی "جامع العتیق" کے نام سے ملے گا۔ عہدِ فاروقی میں فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص نے جب سرزمین مصر میں قدم رکھا تو عسکری اعتبار سے قدیم قاہرہ میں آپ کو یہ جگہ پسند آئی۔ چنانچہ اسی مقام پر اسلامی لشکر کے لئے چھاؤنی بنائی گئی۔ چھاؤنی کیا تھی مشتاقین کے لئے ایک عارضی قیام گاہ تھی۔ جہاں امیرِ لشکر عمرو بن العاص کے لئے ایک خیمہ نصب ہوا۔ اردگرد صحابہ کرام اور تابعین کی ایک عظیم جماعت نے ڈیرے ڈال دئے۔ رفتہ رفتہ یہی عارضی اقامت گاہ ایک مستقل آبادی بن گئی۔ جو اس وقت "خطۃ اہل الرایٔ" یعنی اہل علم کا محلہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس دوران یعنی ۲۰ھ/بمطابق ۶۴۲ء موسم گرما میں اس مسجد کی بنیاد رکھی گئی۔

جامع کی خصوصیات یہ وہ تاریخی مسجد ہے جس کو پورے براعظم افریقہ میں "اول بیت اللہ" یعنی اول خانہ خدا ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اسّی صحابہ کرام نے اس مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا۔ جن میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ۔ زبیر بن العوامؓ اور عقبہ بن عامر جیسے بدریین صحابہ بھی شامل تھے۔ غالباً مدینۃ النبی میں مسجد نبوی کو چھوڑ کر کسی غیر ملک کی یہ واحد مسجد ہے جس میں اس کثرت سے صحابہ شریک ہوئے۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ یہاں سے تعلیم و تعلم کی صدائیں بھی بلند ہوئیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے اس مسجد میں بیٹھ کر حدیث کا درس دیا۔ اور ایک بڑا علمی حلقہ قائم کیا۔ صحابہ کے بعد تابعین اور تبع تابعین نے اس تسلسل کو باقی رکھا۔ چنانچہ لیث بن سعد کے درس دینے کے علاوہ امام شافعی نے بھی اسی مسجد میں بیٹھ کر اپنے مذہب اور اقوال پر نظرثانی کی اور آخری عمر میں ایک عظیم حلقہ تلامذہ قائم کیا۔ دینیات اور فقہ کے علاوہ لغت عربی کی خدمت بھی اسی درسگاہ میں ہوئی۔ ادب عربی کے مشہور شاعر ابوتمام (۱۰۰ھ ۲۳۱ھ) نے بھی یہاں درس دیا۔ ابونواس جب مصر آیا تو اس نے بھی اپنا حلقہ یہاں بنایا۔ کافور کے عہد میں

"متنبی" جب مصر میں کچھ وقت کے لئے آئے تو آپ نے بھی نو سال تک اس مسجد میں بیٹھ کر شعر گوئی کی تھی۔ چوتھی صدی ہجری میں فاطمیین نے جب جامعہ ازہر کو شیعہ مذہب کے لئے مرکز بنایا۔ تو اہلسنت والجماعت کی آواز یہاں سے بلند ہوئی۔ اور یہاں سے رد رافض کا مقابلہ ہوا۔

جامع کی مسافت اور آبادی یہ مسجد اگرچہ زرق برق اشیاء سے نہیں بنائی گئی۔ سنگ مرمر یا پختہ خشت دیوار و در اور نہ فرش میں استعمال کی گئی۔ ساگوان یا کسی دوسری قیمتی لکڑی سے کام نہیں لیا گیا۔ چوب کاری یا خوبصورت دروازے نہیں بنائے گئے بلکہ "خصبا" یعنی ریتلی زمین پر جگہ ہموار کر کے کھجور کی تھان کی ستون پر کھجور کے شاخوں کی چھت ڈال کر مسجد بنائی گئی۔ صحابہ کرام کی للہیت اور خلوص کی وجہ سے وہی آثار اور نشانات آج تک باقی ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اس مسجد کا رقبہ بنیاد رکھتے وقت ۲۵ × ۱۵ گز تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کی آبادی اور رقبہ میں اضافے ہوتے رہے۔ چنانچہ ۵۳ھ/۶۷۲ء میں والی مصر ابن مخلد نے وسعت کا حکم دے کر یہ رقبہ دگنا کر دیا گیا چالیس سال بعد یعنی ۹۳ھ/۷۱۰ء میں اموی حاکم عبدالعزیز بن مروان نے اس مسجد میں مزید وسعت کا حکم دے دیا ایسا ہی ۲۱۲ھ/۸۲۶ء میں والیٔ مصر عبداللہ بن طاہر نے خلیفہ مامون کے حکم سے اس وقت کے موجودہ رقبہ کو دوگنا کر دیا گیا۔

اس بار بار اضافے سے مسجد کافی وسیع ہو گئی۔ آج یہ مسجد جس رقبے پر قائم ہے یہ وہی رقبہ ہے جس کے بار بار اضافے ہوتے رہے ایسا ہی آبادی کے لحاظ سے بھی یہ مسجد موقعہ بموقعہ اختیاری یا غیر اختیاری اسباب کی وجہ جدت کی شکار ہوتی رہی۔ مصر میں "آثار قدیمہ" کے مدیر عام عبداللہ العطار کے بیان کے مطابق تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسجد کی آبادی دو دفعہ آگ کا شکار ہوئی۔ پہلی دفعہ عہد طولونیہ میں الحاکم بامر اللہ کے دور میں اس مسجد کو آگ لگ گئی۔ پھر خمارویہ بن احمد بن طولون نے اسے دوبارہ آباد کیا۔ اور دوسری دفعہ ۸۱۷ء میں ایک اور دفعہ پر اس مسجد کی آبادی آگ میں بدل گئی۔

فاطمی دور کے آخر میں جب یہاں "شاور" وزیر تھا اور عیسائیوں نے قاہرہ پر حملہ کیا تو اس وزیر نے اس وجہ سے آبادی کو آگ لگائی کہ کہیں یہ آبادی مسیحوں کے ہاتھ میں بطور غنیمت نہ چلی جائے۔ دوسری مرتبہ آگ سے مسجد کو بہت نقصان پہنچا۔ اور پھر صلاح الدین ایوبی نے دوبارہ اسے تعمیر کیا۔ بعد ازاں فرانس کے حملہ میں بھی اس مسجد کو نشانہ بنایا گیا۔ اس کے علاوہ موقعہ بہ موقعہ سلاطین و امرائے مصر نے اپنے اپنے وقت میں اس مسجد کی تزئین و آرائش کی طرف متوجہ ہوتے رہے۔

اخشیدی اور فاطمی ادوار میں اس کے ستونوں پر سونے اور چاندی کا پانی چڑھایا گیا۔ بلکہ فاطمی، ایوبی، مملوکی اور عثمانی ادوار میں امراء و سلاطین جمعۃ الوداع یعنی رمضان المبارک کا آخری جمعہ یہاں آکر پڑھتے تھے۔ کافی مدت

رسم جاری رہی۔ پھر درمیان میں کٹ گئی۔ موجودہ وقت میں صدر حسنی مبارک نے یہ رسم دوبارہ جاری کر دی۔

قیام مصر کے دوران یہاں بھی میرا دو دفعہ جانا ہوا۔ دوسری دفعہ استاد محترم قائدِ جمعیت حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مرکزی جنرل سیکرٹری جمعیت علماء اسلام کی معیت میں جب گئے تو مسجد میں کافی لوگوں کو پڑھتے پڑھاتے دیکھا۔ مسجد کی آبادی لکڑی کی ہے۔ قدامت کی وجہ سے بوسیدہ نظر آرہی تھی۔ بجلی اور پنکھوں کے انتظامات میں بہت احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ چاروں طرف آبادی اور درمیان میں کشادہ صحن ہے۔ تین اطراف سے مسجد میں داخلہ کے لئے دروازے ہیں۔ البتہ قبلہ کی جانب کوئی دروازہ نہیں۔ بائیں جانب ایک عظیم قبرستان ہے۔ مسجد کے اگلے حصہ میں ایک کنواں محفوظ ہے جو تاریخی اعتبار سے بہت پرانا ہے۔

سلطان حسن کی مسجد | غالباً اپریل کے آخری عشرہ میں ہفتہ کے دن ظہر کے بعد "سلطان حسن کی مسجد" جانا ہوا۔ مسجد قلعہ کے عقب میں واقع ہے۔ اور اسلامی فنِ تعمیر کی مہتم بالشان یادگاروں میں سے ہے۔ اگرچہ یہ مسجد ایک ڈھنگ قلعہ اراضی پر واقع ہے۔ لیکن قدامت اور مختلف اثرات کے امتزاج کی وجہ سے سیاحوں کی توجہات کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ دور سے میں نے دیکھا کہ وزارتِ سیاحت کی چند گاڑیاں سیاحوں کو لاتے ہوئے دروازے پر کھڑی ہو رہی تھیں۔ اس مسجد کا طول ۱۶۰ میٹر اور عرض تقریباً ستر میٹر ہے۔ اسکی ابتداء سلطان حسن کے دور ۷۵۷ھ میں ہوئی اور تین سال کی قلیل مدت میں یعنی ۷۶۰ھ میں پایۂ تکمیل تک پہنچی۔ یہ تین سال بغیر کسی ناغہ کے اس پر کام ہوتا رہا جاتا ہے کہ تین سال کے دوران روزانہ اس پر بیس لاکھ دراہم خرچ ہوتے رہے۔ سلطان نے مختلف ممالک کے ماہرین فنِ تعمیر کو جمع کر کے یہ مسجد بڑے شوق سے بنوائی۔ اندر جانے کیلئے بڑے دروازے سے جانا پڑتا ہے دروازے میں قدم رکھتے ہوئے دائیں اور بائیں جانب ایک بڑا ایوان در طاق ہے جسکے پیچھے ایک کمرا ہے۔ کمرے کے بائیں جانب ایک لمبی سرنگ نما قبے دار گزرگاہ ہے جو صحن تک جاتی ہے۔ صحن سے آگے قبلہ کی جانب جو برآمدہ بنایا گیا ہے۔ بلندی اور نقش و نگاری کے اعتبار سے بے نظیر ہے۔ صحن کے چاروں کونوں پر چاروں کے مدرسے بنائے گئے ہیں۔ ہر ایک مدرسہ کے دروازے پر ایک بورڈ آویزاں تھا جس سے یہ نشاندہی ہو رہی تھی کہ یہ مدرسہ کس مذہب کا ہے۔ ایک طرف مدرسہ حنفی اور حنبلی جبکہ دوسری جانب مدرسہ مالکی و مدرسہ شافعی کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ ہر ایک مدرسہ کیلئے الگ الگ انتظامات تھے۔ دروازے سے داخل ہو کر یہ معلوم ہوا۔ کہ ہر ایک مدرسہ میں طلباء کی جملہ ضروریات کا خیال رکھا گیا تھا۔ پڑھنے کیلئے درسگاہ، رہنے کیلئے کمرے۔ کھانے پینے کے علاوہ نماز کے لئے باقاعدہ جگہیں بنائی ہوئی تھیں ہر ایک مدرسہ چار منزلوں پر مشتمل رہا۔ تاہم اوپر نیچے جانے کیلئے جو راستہ بنایا تھا تنگ ہونے کی وجہ سے اس پر آنا جانا مشکل رہتا۔ حنفی ہونے کی نسبت سے حنفی مذہب کے مدرسہ میں جا کر دیکھا گیا کہ کچھ مرمت ہو رہی تھی۔ کمروں میں وحشت طاری تھی۔ اجنبیت کا سماں تھا۔ چونکہ ہر ایک مدرسہ

سے دوسرے مدرسہ تک آنے جانے کا بھی راستہ تھا۔ اس لئے اوپر آخری چھت پر چڑھ کر دوسری جانب مالکی مدرسہ کے راستہ سے نیچے اترا، مسجد کے صحن میں کھڑے ہو کر جب آس پاس کے نقش و نگار، فنِ خطاطی کے اعلیٰ نمونے سامنے ہونے کے ساتھ ساتھ پرکشش شان و شوکت والی اس عمارت پر نظر ڈالی جائے تو یہ احساس ہوتا ہے کہ اس مشینی دور میں زمانے کی ترقی کی وجہ سے اگرچہ فلک بوس نفیس و نازک اور خوبصورت عمارتیں بنوائی گئی ہیں۔ لیکن آٹھ سو سال کی یہ قدیم عمارت ذاتی کشش کی وجہ سے زیادہ توجہات کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ مشہور مورخ مقریزیؒ لکھتے ہیں کہ تمام ممالک اسلام میں کوئی مذہبی عمارت اس کے مثل تعمیر نہیں ہوئی۔ اگرچہ اس دعویٰ کو قبول کرنا بعید از عقل ہے۔ لیکن پھر بھی مقریزی جیسے مشہور مورخ کی یہ بات اس مسجد کی اہمیت اور کاریگری کیلئے بڑی دلیل ہے۔

جامع ابن طولون | اکثر مقامات کی زیارت کی سعادت ایک بار انفرادا اور دوسری بار استاد محترم کی رفاقت میں نصیب ہوئی۔ لیکن جامع ابن طولون کو اس سے پہلے میں نہیں گیا تھا۔ ٹیکسی والے نے مہربانی کر کے ۱۶ر جون کو جامع عمرو بن العاص کی زیارت کے بعد یہاں پہنچایا۔ یہ مسجد مصر کے قدیم ترین مساجد میں سے ہے۔ مسجد کی ظاہری خصوصیت یہ ہے کہ اس کا نقشہ وہی رکھا گیا جو مسجد حرام کا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ۲۶۳ھ یعنی قاہرہ کی آبادی سے ایک صدی قبل احمد ابن طولون نے جبل یشکر کی ایک باہر کو نکلی ہوئی چٹان پر نئی مسجد تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔

مسجد کے اندرونی احاطے سے قبل مسجد ایک دوسرے مستطیل احاطے میں محدود ہے۔ بیرونی احاطہ اندرونی احاطے سے ۱۹ میٹر عرض چھوڑ کر بنوایا گیا ہے۔ بیرونی دیواریں اصل مسجد کی دیواروں سے نیچے ہیں۔ اردگرد کا یہ خارجی احاطہ تقریباً مربع ہے جس کا طول ۱۶۲ میٹر اور عرض ۱۶۲٫۴۶ میٹر ہے۔ جبکہ خود مسجد مستطیل شکل میں محدود ہے جس کا اندازہ تقریباً ۱۲۲٫۲۶ × ۱۴۰٫۳۳ میٹر ہے۔ اردگرد چاروں طرف دالانین بنائی گئی ہیں اور درمیان میں ایک عظیم صحن ۱۲ مربع میٹر کی شکل میں موجود ہے۔ قبلہ کی جانب دالان میں پانچ صفوں اور دوسرے دالانوں میں دو دو صفوں کی گنجائش ہے۔ اصل مسجد تک سترہ بڑے اور دو چھوٹے دروازے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں چار دروازے مشرقی جانب یعنی قبلہ کی دیوار میں ہیں جن میں سے ایک دروازہ اس کمرے میں کھلتا ہے۔ جو محراب کے عقب میں واقع ہے۔ مسجد کی مجموعی کیفیت سے یہ تاثر ملتا ہے کہ اندرونی اور بیرونی احاطہ بندی کی وجہ سے بوقت ضرورت یہ مسجد ایک مضبوط حصار اور قلعہ کا کام بھی دیتی، بڑے دروازوں کے بند کرنے کے بعد کسی غیر کو اندر آنے کی جرأت نہ ہوئی جس کی وجہ سے ایک پناہ گاہ سمجھی جاتی۔ مسجد کے دروازوں کی نقش و کاریگری، دریچوں اور دروازوں کے ڈاٹ دالانوں کے اردگرد دیواروں میں تناسب، و توازن کی برقراری مسلمانوں کی فنِ تعمیر میں مہارت اور سبقت کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے۔ صدیاں گزرنے کے باوجود بھی اگرچہ نمازیوں کے اعتبار سے یہ مساجد غیر آباد ہیں۔ جدت پسندی کی وجہ سے نمازیوں کی تعداد جدید مساجد میں زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن سیر و سیاحت کی غرض سے ان قدیم مساجد میں مسلم اور غیر مسلم سیاحین کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ (جاری)